تعارف وتبصرہ:

شبلی شناسی کے سو سال

[ایک طائرانہ نظر]

سفیر اختر *

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی (مصنف)، ادبی دائرہ، اعظم گڑھ، ۲۰۱۴ء، صفحات ۲۶۰،
قیمت: ۳۵۰ ہندوستانی روپے۔

علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) کے فکر و دانش سے اعتناء کے حوالے سے جہاں ان کی تالیفات و تصنیفات کو درسی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا، ان کی تشریحات اور تلخیصات تیار کی گئیں، ان کی تعریف و تحسین کے ساتھ انہیں نقد و نظر کے ترازو میں تولا گیا اور مستقل بالذات کتابیں تصنیف کی گئیں، وہیں ان کے افکار کے مختلف پہلوؤں کو الگ الگ کرتے ہوئے بڑی تعداد میں معمولی نوعیت کی تحریروں سے لے کر اعلیٰ درجے کے تنقیدی مقالات تک لکھے گئے۔ یہ مقالات رسائل و جرائد میں شائع ہوئے اور بالخصوص علامہ شبلی نعمانی کی یاد میں مرتبہ رسائل کی خصوصی اشاعتوں میں پیش کیے گئے۔ ایسا بھی ہوا کہ مختلف علمی و ادبی اداروں اور تنظیموں کی جانب سے علامہ کی یاد میں سیمیناروں کا اہتمام کیا گیا جن میں مقالات پیش کیے گئے، اور یہی مقالات (یا ان کی تعداد میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ) رسائل کی خصوصی اشاعتوں اور مجموعہ ہائے مضامین کی شکل میں منصۂ شہود پر آئے۔

رسائل و جرائد کی خصوصی اشاعتوں کی حد تک شبلی شناسی کو جناب محمد الیاس الاعظمی نے زیر نظر کتاب ''شبلی شناسی کے سو سال'' میں موضوعِ تحقیق و تنقید بنایا ہے، تاہم انہوں نے اصل موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے ''شبلی شناسی'' کے زیرِ عنوان ایک طویل مضمون شامل کیا ہے جس میں شبلی شناسی کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ آغازِ مضمون میں جامعات میں علامہ شبلی کے فکر و دانش پر، اعلیٰ تعلیمی سطح پر لکھے گئے مقالات کا مجملاً بہ لحاظ تعداد ذکر کیا ہے۔ ان جامعات میں ملائیشیا کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کوالالمپور، مصر کی قاہرہ یونیورسٹی اور کینیڈا کی میک گل یونیورسٹی مانٹریال بھی شامل ہیں، جن میں اطلاع کے مطابق ایک ایک مقالہ لکھا گیا ہے۔ (برعظیم سے باہر علامہ شبلی نعمانی کے فکر و دانش کو انہی اہلِ تحقیق نے موضوع بحث بنایا ہے، جن کا پس منظر برعظیم کا تھا اور اردو زبان سے

* مدیر ششماہی ''نقطہ نظر''، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، پاکستان۔

واقفیت رکھتے تھے۔ ان اہل تحقیق میں سے بعض نے مذکورہ جامعات کے علاوہ دوسری جامعات، مثلاً ٹمپل یونیورسٹی فلاڈلفیا، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کیمبرج یونیورسٹی کیمبرج- برطانیہ سے اعلیٰ سندیں حاصل کی ہیں۔شبلی شناسی کے حوالے سے جناب اعظمی نے ان تعلیمی اداروں اور ادبی و علمی تنظیموں کا کھوج لگانے کی کوشش بھی کی ہے جو علامہ کے اسم گرامی سے موسوم ہیں۔ اس طرح جن شہروں میں شاہراؤں کو علامہ کے نام سے نسبت دی گئی ہے، ان کا ذکر بھی کیا گیا ہے، نیز علامہ شبلی کے حوالے سے منعقدہ گیارہ سیمیناروں اور چار تقریبات کی تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ جن کا انعقاد بطور یومِ شبلی / ہفتۂ شبلی کیا گیا تھا۔ آخر میں دارالمصنفین اعظم گڑھ کے زیر اہتمام آٹھ، اور خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری- پٹنہ کے زیر اہتمام ایک شبلی یادگاری خطبے کی یادیں تازہ کی ہیں۔ اس ساری پیش رفت کے بیانیے کے بعد جناب اعظمی نے اندوہ و ملال کے ساتھ شکوہ کیا ہے کہ ''آزادی کے بعد حکومت [ہندوستان] کی سطح پر علامہ شبلی کو کبھی یاد نہیں کیا گیا۔ شعبۂ مطالعاتِ شبلی اور شبلی چیئر تو دور، ایک ڈاک ٹکٹ بھی جاری نہیں کیا گیا۔--- رہے برصغیر کے دوسرے ممالک، پاکستان و بنگلہ دیش تو وہ علامہ شبلی کو کیوں کر یاد کرتے۔ وہاں بھی غالباً حکومت کی سطح پر کوئی کام نہیں ہوا، البتہ اہل علم و کمال اور دانش وروں نے شبلی اور فکر شبلی سے ہمیشہ سروکار رکھا۔ آج شبلی شناسی کا جو سرمایہ ہمارے پاس ہے، وہ انہیں دانش مندوں کا رہین منت ہے۔ (ص:۵۶)

جناب محمد الیاس الاعظمی کی تحقیق و جستجو کے مطابق برعظیم کے ۱۲، اردو رسائل و مجلّات نے علامہ شبلی کے فکر و دانش کے حوالے سے چھوٹی بڑی خصوصی اشاعتیں (شبلی نمبر) پیش کی ہیں۔ اولیں شبلی نمبر ماہنامہ ''خضرراہ'' (لکھنو) کا مارچ ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا تھا۔ اس سلسلے کی تازہ ترین کاوش، سہ ماہی ''اسلام اور عصر جدید'' (ذاکرحسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) کا ''خصوصی شمارہ- نذرِ شبلی نعمانی'' ہے جو جولائی ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا تھا۔ مذکورہ جملہ خصوصی اشاعتوں کی تفصیل یہ ہے:

۱- ماہنامہ ''خضرراہ'' (لکھنو)، مارچ ۱۹۳۰ء، مرتبہ حامد ندوی
۲- ماہنامہ ''صبا'' (حیدرآباد- دکن)، ۱۹۵۸ء، مرتبہ سلیمان اریب (م:۱۹۷۲ء)
۳- ماہنامہ ''خاور'' (ڈھاکہ)، مارچ ۱۹۵۳ء، مرتبہ عندلیب شادانی (م:۱۹۶۹ء)
۴- مجلّہ ''البصیر، (اسلامیہ کالج، چنیوٹ)، ۱۹۵۸ء، مرتبہ غلام دستگیر
۵- ماہنامہ ''درس'' (جامعہ اردو- علی گڑھ)
۶- ماہنامہ ''ادیب'' (جامعہ اردو- علی گڑھ)، ستمبر ۱۹۶۰ء، مرتبہ ابن فرید (م:۲۰۰۳ء)

۷- مجلّہ ''کریسنٹ'' (اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ لاہور)، جنوری ۱۹۷۱ء، مرتبہ خالد بزمی (م:۱۹۹۹ء)

۸- ہفت روزہ ''ہماری زبان'' (انجمن ترقی اردو ہند- دہلی)، ۱۵-۲۲ اپریل ۱۹۹۵ء، مرتبہ خلیق انجم

۹- سہ ماہی ''اردو ادب'' (انجمن ترقی اردو، ہند، دہلی)، ۱۹۹۶ء، مرتبہ خلیق انجم

۱۰- سہ ماہی ''فکر و نظر'' (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی- علی گڑھ)، جون ۱۹۹۶ء، مرتبہ شہر یار

۱۱- مجلّہ ''شبلی کالج میگزین'' (شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج، اعظم گڑھ)، ۰۸-۲۰۰۷ء، مرتبہ فخر الاسلام اعظمی

۱۲- سہ ماہی، ''اسلام اور عصر جدید'' (ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)، جولائی ۲۰۰۸ء، مرتبہ اختر الواسع و فرحت احساس

مذکورہ بالا ۱۲ خصوصی اشاعتوں میں سے دو رسائل ''درس'' اور ''خاور'' کے شبلی نمبر جناب اعظمی کو دستیاب نہ ہو سکے، تاہم اول الذکر کا حوالہ ''باقیات شبلی'' میں جناب مشتاق حسین نے بہ تکرار دیا ہے۔ ثانی الذکر شبلی نمبر کا مجمل حوالہ محمد ضیاء الدین انصاری (م: ۲۰۰۶ء) نے اپنی مرتبہ کتابیات شبلی - بعنوان ''جہانِ شبلی'' (مشمولہ ''فکر و نظر'' علی گڑھ، شبلی نمبر) میں دیا ہے۔ جناب اعظمی نے اپنی تحقیق و جستجو کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''خاور'' کے شمارے مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں، البتہ اس کا شبلی نمبر کہیں دستیاب نہیں، نیز محمد ضیاء الدین انصاری مرحوم کے ''علاوہ اس کا کہیں اور ذکر نہیں ملتا۔'' (ص:۴۷)

کسی بھی واقعے کے اثبات کے لیے سیکڑوں منفی اطلاعات اور ہزاروں افراد کے سکوت کے بالمقابل ایک مثبت شہادت کی اہمیت زیادہ ہے، اس لیے جناب اعظمی نے ''خاور'' کے ''شبلی نمبر'' کی تلاش جاری رکھی، اور اپنی ناکام جدو جہد کے ساتھ محمد ضیاء الدین انصاری کے دعوے کا ذکر کیا ہے۔ کیا ''خاور'' کا واقعی کوئی شبلی نمبر'' شائع ہوا تھا؟ ''خاور'' کے مدیر عندلیب شادانی کے احوال و آثار پر نظیر صدیقی (م:۲۰۰۱ء) اور کلثوم ابو البشر نے دادِ تحقیق دی ہے۔ نظیر صدیقی کی تالیف ''ڈاکٹر عندلیب شادانی، ایک مطالعہ'' (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۵ء) اور کلثوم ابو البشر کے مقالہ تحقیق برائے ڈاکٹریٹ ''ڈاکٹر عندلیب شادانی: حیات اور کارنامے'' (ڈھاکہ: ڈھاکہ یونیورسٹی، ۱۹۹۲ء) میں ''خاور'' کے کسی ''شبلی نمبر'' کا ذکر نہیں۔ ان دونوں سے پہلے بنگلہ دیش [سابق مشرقی پاکستان] میں اردو زبان و ادب کے حوالے سے جن مصنفین نے قلم اٹھایا، ان میں سے ایک نام وفا راشدی (م:۲۰۰۳ء) کا ہے۔ انہوں نے اپنی تالیف ''بنگال میں اردو'' (حیدر آباد [سندھ]: مکتبہ اشاعتِ اُردو، ۱۹۵۵ء) میں ڈاکٹر شادانی کی تصنیفات و تالیفات کا ذکر کیا، اور سابق مشرقی پاکستان کی صحافت کے تحت ''خاور'' کا اندراج کیا، مگر کسی خصوصی اشاعت بابت

علامہ شبلی کا دور دور تک کوئی اشارہ نہیں۔

حال ہی میں پروفیسر ہارون الرشید نے، جن کی زندگی کا ایک بڑا حصہ مشرقی پاکستان میں گزرا ہے، وہاں کے دبستان اردو سے متعلق ایک کتاب ''نوائے مشرق'' (کراچی: میڈیا گرافکس، ۲۰۱۳ء) میں عندلیب شادانی کے بارے میں گیارہ صفحاتی مضمون میں ماہنامہ ''خاور'' کے بارے میں صرف یہ اطلاع دی ہے: ''اپریل ۱۹۵۲ء سے ڈاکٹر صاحب نے ڈھاکے سے ایک ماہنامہ 'خاور' پرجاری کیا۔ یہ ایک اعلیٰ درجے کا ادبی ماہنامہ تھا۔ اس کی ہندو پاکستان کے علمی اور ادبی حلقوں میں بڑی پذیرائی ہوئی، لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے اس کے صرف بارہ شمارنکل سکے۔''

محمد ضیاء الدین انصاری کی نظر سے ''خاور'' کا مزعومہ ''شبلی نمبر'' نہیں گزرا تھا، کیونکہ متعلقہ شمارے (بابت مارچ ۱۹۵۳ء) کے کسی مقالے کا علامہ شبلی سے متعلق ہونے کے باوجود کوئی اندراج ''جہان شبلی'' میں نہیں ہے۔ اس کے برعکس ماہنامہ ''خاور'' کے چار شماروں بابت مئی، جولائی، نومبر۱۹۵۲ء اور فروری۱۹۵۳ء کے علامہ شبلی کے حوالے سے اندراجات موجود ہیں۔ فروری ۱۹۵۳ء میں ''شعر العجم'' کے بارے میں آفتاب احمد صدیقی کی تحریر شائع ہوئی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک ماہ بعد عندلیب شادانی ''خاور'' کی خصوصی اشاعت بابت علامہ شبلی شائع کررہے تھے تو فروری۱۹۵۳ء سے پہلے کے مضامین (بابت علامہ شبلی) نہیں تو کم از کم فروری ۱۹۵۳ء کی تحریر کو ایک ماہ بعد کی خصوصی اشاعت کے لیے محفوظ کر لیتے، اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ''خاور'' کی اشاعت میں مالی مشکلات حائل رہی تھیں، اگر عام شماروں کی یہ کیفیت تھی تو نسبتاً زیادہ ضخامت کے حامل شمارے کی اشاعت کے بارے میں اندازہ کیا جاسکتا ہے!

مذکورہ صورت حال میں غالب امکان اس بات کا ہے کہ ''خاور'' کی کوئی خصوصی اشاعت بابت علامہ شبلی شائع نہیں ہوئی تھی۔

علامہ شبلی نعمانی کے بارے میں خصوصی اشاعت پیش کرنے کی اولیت ماہنامہ ''خضرِ راہ'' (لکھنو) کو حاصل ہے، مگر شمالی ہند سے شائع ہونے والے اس رسالے کی شہرت حیدر آباد دکن کے سلیمان اریب تک نہ پہنچ سکی کہ انہوں نے اپنے مرتبہ ''صبا (شبلی نمبر)'' کو علامہ شبلی کی شخصیت اور فکر وفن پر پہلا خاص نمبر قرار دے دیا تھا۔ ماہنامہ ''خضر راہ'' کی محدود اشاعت ہی کا نتیجہ ہے کہ اس کے مرتب جناب حامد ندوی کے بارے میں کوئی زیادہ معلومات

دستیاب نہیں۔ جناب اعظمی کے بقول اپنی صفتِ نسبتی ندوی کے لحاظ سے ظاہر ہے کہ وہ ''ندوۃ العلماء کے فاضل تھے، لیکن کہاں کے رہنے والے تھے۔ تصنیف و تالیف کی تربیت کس سے حاصل کی اور کون سے علمی و تصنیفی کارنامے انجام دیے اور کب وفات پائی، کسی قسم کی تفصیلات دستیاب نہ ہوسکیں'' (ص:۵۸)، تاہم ''تاریخ ندوۃ العلماء، حصہ دوم'' (لکھنو: دفتر نظامت ندوۃ العلماء، ۱۹۸۴ء) سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۴۰ء میں جن دنوں عبدالسلام قدوائی دارالعلوم کے انتظامی ذمہ داروں میں سے تھے، انہوں نے فروری ۱۹۴۰ء میں حامد ندوی [حامد علی ندوی] کو انجمن معین الندوہ کا ذمہ دار مقرر کیا تھا۔

جناب اعظمی نے ایک ایک خصوصی اشاعت کے جملہ مضامین کا تعارف لکھنے کی کوشش کی ہے، حسب ضرورت مضامین کے اقتباسات نقل کیے ہیں اور مضامین پر اپنی رائے بھی دی ہے اور جہاں اختلاف کو ضروری خیال کیا ہے، وہاں کھلے طور پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کا جھکاؤ علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت اور فن کی تحلیل کی جانب ہے۔ انہوں نے علامہ شبلی کے فکر و فن پر قلم اٹھانے والے ان متعدد افراد کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے جن کے مقالات، رسائل و مجلّات کے زیر مطالعہ خصوصی شماروں میں شامل ہیں۔ کہیں یہ رائے محض ایک مقالے پر مبنی ہے، اور کہیں کہیں مقالہ نگار کی مجموعی شبلی شناسی کے حوالے سے ہے۔ چند آراء دیکھیے:

☆ ''ڈاکٹر سید عبداللہ کا مطالعہ شبلیات گہرا تھا--- البصیر میں شامل مقالہ [شبلی کے تصنیفی کام کی مجموعی قدر و قیمت] خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔ اس سے شبلی کی عظمت اور فکری بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔'' (ص:۸۹)

☆ ''شبلی: ایک دبستان'' (ڈھاکہ: مکتبہ عارفین، س-ن) کے آفتاب احمد صدیقی (م: ۱۹۹۸ء) نے ''علامہ شبلی کے کارناموں کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ زیر نظر مقالہ [شبلی متکلم] سے بھی ان کے گہرے مطالعے کا پتہ چلتا ہے۔'' (ص:۹۱)

☆ مرزا احسان احمد (۱۸۹۵-۱۹۷۲ء) نے ''اپنے مقالہ [علامہ شبلی بحیثیت محقق و نقاد] میں ان [علامہ شبلی] کی تحقیقی بصیرت و بصارت دکھلائی ہے۔ خاص طور پر ان کی محققانہ تصنیفات سے متعدد مضبوط دلائل پیش کیے ہیں۔ یہ اپنے موضوع پر پہلا ناقدانہ مقالہ تھا جس میں علامہ شبلی کی محققانہ کاوشوں کا تجزیہ ہے۔'' (ص:۱۰۷)

☆ پروفیسر آل احمد سرور [م:۲۰۰۳ء] نے ''حیات شبلی'' پر تبصرہ لکھا ہے۔ ''اس میں انہوں نے مولانا سید سلیمان ندوی سے اتفاق بھی کیا ہے اور اختلاف بھی۔ لیکن شبلی کی شخصیت کا جہاں جہاں تجزیہ کیا ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مبصّر نے شبلی کی شخصیت کا، تصنیفات کا، افکار و خیالات کا بڑی گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیا ہے اور شبلی کی عظمت کے نقوش ان کے دل و دماغ پر ثبت ہیں۔'' (ص:۱۴۲)

☆ ممتاز منگلوری نے [مقالے- علامہ شبلی کی تصنیفات] میں ''تصانیف شبلی کا عمومی تجزیہ پیش کیا ہے۔--- ان کے نزدیک شبلی کا ایک بڑا کارنامہ فلسفۂ تاریخ کی تدوین ہے۔ اس میں وہ ابن خلدون کی صف میں نظر آتے ہیں۔ ممتاز منگلوری نے شبلی کے فلسفۂ تاریخ کا سماجی اور معاشرتی نقطۂ نظر سے بھی مطالعہ کی کوشش کی ہے۔ علامہ شبلی کی مورخانہ بصیرت پر یہ ایک عمدہ مقالہ ہے۔'' (ص:۱۵۳)

☆ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے دو ''مقالات [ادب اور مشرقی تاریخ کا مخزن -شبلی، علامہ شبلی بحیثیت مورخ] سے ''بہتر شبلی کی تاریخ نویسی کا تجزیہ اب تک نہیں ہوا ہے، حالانکہ اختر وقار عظیم نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب 'شبلی بحیثیت مورخ' لکھی ہے۔'' (ص:۱۹۶)

علامہ شبلی نعمانی کے کارنامۂ حیات کے معترضین کے پہلو بہ پہلو وہ حضرات بھی ہیں جنہیں علامہ شبلی کی شخصیت اور اپنے معاصرین سے ان کے اختلاف فکر پر اعتراض ہے، نیز علامہ کی تنقیدی و تحقیقی بصیرت پر اعتماد نہیں۔ علامہ شبلی کی یاد میں شائع ہونے والی خصوصی اشاعتوں میں کھلے مخالفین کو زیادہ اہمیت نہیں ملی، تاہم ان کی آراء کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اس طرز کے مباحث میں علی گڑھ تحریک اور سرسیّد احمد خان سے علامہ شبلی کے تعلقات پر بہت گفتگو کی گئی ہے، اس ضمن میں ''حیات جاوید'' کے مولف خواجہ الطاف حسین حالی اور علامہ شبلی کے باہمی روابط اور رویوں کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ (مختلف مضامین پر تبصروں کے لیے دیکھیے: صفحات ۷۹-۸۰، ۹۱-۹۲، ۱۰۵-۱۰۷، ۱۴۸-۱۵۳، ۱۶۸-۱۶۹، ۱۷۱-۱۷۷، اور ۲۰۰-۲۰۱) جناب محمد الیاس الاعظمی کے نقطۂ نظر کے مطابق:

> واقعہ یہ ہے کہ شبلی، سرسید اور ان کی تحریک کے کبھی مخالف نہیں رہے۔ اس کی اہمیت پہلے دن سے ان پر واضح تھی، اور اخیر تک ان کے موقف میں تبدیلی نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں جدید تعلیم کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں ملتا۔ اسی طرح زندگی بھر سرسید کے احترام میں انہوں نے کمی نہیں کی۔ ہاں! دونوں کے نقطۂ نظر میں کسی قدر فرق تھا اور یہ فرق، فرق تھا، مخالفت کبھی نہیں بنا۔ (ص:۱۴۹)

ایک دوسرے موقع پر لکھا ہے کہ ''شبلی نے جس طرح سرسیّد کی عظمت اور علی گڑھ کالج کے احسانات کا ذکر کیا ہے، سرسید کے غالی سے غالی ہم نوا نے بھی نہیں کیا ہوگا'' (صفحات: ۱۷۴-۱۷۵)۔ اپنی تائید میں جناب اعظمی نے علامہ شبلی کی تحریروں سے استشہاد کیا ہے۔ حالی و شبلی کے ضمن میں لکھا ہے: ''سرسید کی سوانح عمری 'حیات جاوید' پر شبلی کے نقطۂ نظر سے اہل علم واقف ہیں۔ وہ شبلی کو پسند نہ تھی۔ اسے انہوں نے کتاب المناقب اور مدلل مداحی قرار دیا

تھا۔ اس کا ذکر اہلِ قلم کرتے رہے ہیں، مگر پروفیسر آل احمد سرور کے الفاظ میں معاملہ صرف یہ ہے کہ علامہ شبلی کو 'مصور پسند تھا اس کی بنائی ہوئی ایک تصویر پسند نہ تھی۔'' (صفحات: ۱۵۲-۱۵۳)

''خطوطِ شبلی بنام محترمہ زہرا بیگم صاحبہ فیضی وعطیہ بیگم صاحبہ فیضی'' (اشاعت: ۱۹۳۵ء) اور ان خطوط پر مولوی عبدالحق کے مقدمے سے علامہ شبلی کی شخصیت کے بارے میں جس مباحثے کا آغاز ہوا تھا، اس میں ''حیات شبلی'' لکھتے ہوئے سیّد سلیمان ندوی کی کامل خاموشی نے ایک طوفان کی شکل اختیار کر لی اور اس طوفان کے گرد وغبار کے اثرات آج بھی محسوس کیے جاتے ہیں۔ جناب محمد الیاس الاعظمی نے زیرِ نظر کتاب کے دو تین مقامات پر اس حوالے سے گفتگو کی ہے۔ ان کے الفاظ میں ''ڈاکٹر ابن فرید نے ---ایک مفصل مقالہ 'شبلی جوں بہ خلوت می روذ' لکھا ہے جس میں انہوں نے 'خطوطِ شبلی'، 'دستۂ گل'، اور 'بوئے گل' کے حوالے سے بابائے اردو [مولوی عبدالحق]، ڈاکٹر وحید قریشی اور شیخ محمد اکرام وغیرہ کے اعتراضات والزامات کے جالے کو انہیں کے اسلوب میں صاف کیا ہے اس موضوع پر ابن فرید سے بہتر کسی نے آج تک نہیں لکھا۔'' (ص: ۱۰۰)

رسائل ومجلّات کی خصوصی اشاعتوں کے مقالات اور ان پر تبصروں کی شکل میں فکرِ شبلی کے کم وبیش تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیا گیا ہے، اور حسبِ ضرورت جناب اعظمی نے اپنی رائے بھی دے دی ہے۔

جناب محمد الیاس الاعظمی نے ان خصوصی اشاعتوں یا شبلی نمبروں کے بارے میں بحیثیت مجموعی جو آراء قائم کی ہیں، اُن پر نظر ڈال لینا مفید ہوگا۔

☆ خضرِ راہ ''بحیثیت مجموعی ماہنامہ خضرِ راہ کا 'شبلی نمبر' شبلی کی سوانح، شخصیت، عظمت اور علمی، ادبی، تنقیدی، تاریخی اور قومی خدمات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ کسی رسالہ کا پہلا شبلی نمبر تھا، بہت وقیع اور بھرپور ہے۔ اس رسالہ سے پہلے علامہ شبلی کی شخصیت پر صرف ایک کتاب 'تذکرہ شبلی' از محمد مہدی اسلامیہ کالج اٹاوہ سے پاشا سیریز کے تحت ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ شبلی کی وفات کے بعد سب سے اہم کام جو منظرِ عام پر آیا، وہ یہی 'خضرِ راہ' کا شبلی نمبر تھا۔'' (صفحات ۷۲-۷۳)

☆ صبا (حیدرآباد۔دکن) ''بحیثیت مجموعی یہ ایک عمدہ خصوصی شمارہ ہے۔'' (ص ۸۳)

☆ البصیر (چنیوٹ) ''یہ شبلی نمبر شبلیات میں گراں قدر اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے۔'' (ص ۹۴)

☆ ادیب (علی گڑھ) '''ادیب' کا شبلی نمبر ڈاکٹر ابن فرید کا ایک بڑا ادبی کارنامہ ہے جسے شبلی شناسی کی تاریخ میں

کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، البتہ یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ اس میں علامہ شبلی کے کئی اہم کارناموں کا ذکر نہیں آسکا ہے، مثلاً علامہ شبلی کی سب سے زیادہ پسندیدہ کتاب 'الفاروق' پر کوئی مقالہ شامل نہیں، اسی طرح نہ صرف ان کا بلکہ اردو زبان کا لاثانی شاہ کار 'سیرۃ النبیؐ' کے ذکر سے بھی 'ادیب' کے اوراق سونے ہیں۔ اسی طرح 'الغزالی' اور 'سیرۃ النعمان' پر بھی مستقل مقالات شامل نہیں، اس کے باوجود 'ادیب' کا یہ خصوصی شمارہ شبلی شناسی کے میدان میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔'' (صفحات ۱۳۰-۱۳۱)

☆ کریسنٹ (لاہور) ''کریسنٹ کا یہ نمبر اپنے مشمولات، ضخامت، تنوع مضامین، کسی لحاظ سے ماہنامہ 'ادیب' علی گڑھ کے شبلی نمبر سے کسی طرح کم درجہ نہیں رکھتا، بلکہ اسے کئی معنوں میں تفوق بھی حاصل ہے۔'' (ص۱۶۴)

☆ ہماری زبان (دہلی) ''اس مختصر نمبر میں شبلی کے حالات زندگی، بعض افکار وخیالات اور ان کے علمی و ادبی کارناموں کا ایک اجمالی مرقع آ گیا ہے۔'' (۱۶۷)

☆ اردو ادب (دہلی) ''اردو ادب' کا یہ شبلی نمبر کئی لحاظ سے بہت اہم ہے۔ شبلی کی شخصیت کے بنیادی خدوخال اس سے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ان کی شخصیت کی عبقریت اور انفرادیت کے متعدد پہلو مقالہ نگاروں نے واضح کیے ہیں۔ ان کی ادبی وتنقیدی حیثیت کی تعیین کی ہے۔ محققانہ روش پر گفتگو کی گئی ہے، لیکن ایک کمی محسوس ہوتی ہے کہ علامہ شبلی نے علم وادب پر جو اثرات مرتب کیے یا اردو شعروادب جس حد تک ان کا رہینِ منت ہے، اس پر کسی مقالہ نگار نے روشنی نہیں ڈالی ہے۔ اس کے باوجود 'اردو ادب' کا یہ نمبر گزشتہ خصوصی شماروں سے کس طرح کم اہمیت نہیں رکھتا۔ شبلی شناسی میں اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔'' (ص۱۹۰)

☆ فکرونظر (علی گڑھ) ''یہ شبلی نمبر شبلی شناسی کے میدان میں ایک نمایاں پیش رفت ہے۔ علامہ شبلی پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ ضروری قرار دیا جا سکتا ہے۔'' (ص۲۰۲)

☆ شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج اعظم گڑھ میگزین (اعظم گڑھ) ''مجموعی طور پر 'شبلی کالج میگزین' کا یہ 'شبلی نمبر' شبلی شناسی میں ایک اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے ---- اس میں چند نئے موضوعات پر بھی مقالے شامل ہیں، لیکن شبلیات کے بہت سے ایسے گوشے ہیں جن کا سرے سے ذکر ہی نہیں۔'' (ص۲۱۳)

☆ اسلام اور عصر جدید (دہلی) ''اس شبلی نمبر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں علامہ شبلی کے سات مقالات شامل کیے گئے ہیں، اس سے قبل شائع ہونے والے کسی 'شبلی نمبر' میں اس کا اہتمام نہیں کیا گیا۔'' (ص۲۲۱)

شبلی نمبروں کے جائزے کے ساتھ مولانا ابو الکلام آزاد کے ماہنامہ ''لسان الصدق'' (کلکتہ) کی ورق گردانی کرتے ہوئے علامہ شبلی کی نسبت سے ضمیمہ ''ماہنامہ لسان الصدق اور علامہ شبلی'' شامل کیا گیا ہے۔ ''لسان الصدق'' کے شمارے خال خال ہی ملتے تھے، مگر مولانا آزاد کے صد سالہ یوم ولادت کی مناسبت سے پہلے جناب عبدالقوی دسنوی نے تمام دستیاب شماروں کو مرتب کیا (دہلی: مکتبہ جامعہ، اکتوبر ۱۹۸۸ء)، بعد میں جناب ابوسلمان شاہ جہاں پوری نے یہی کام اپنے انداز میں انجام دیا (کراچی: مولانا آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۶ء)۔ مولانا آزاد انجمن ترقی اُردو کے ابتدائی دور میں اس سے وابستہ ہو گئے تھے، اور ان کا یہ ماہنامہ بہت حد تک انجمن ہی کا ترجمان بن گیا تھا۔ اس کے صفحات میں انجمن کی پیش رفت کے حوالے سے خاصا لوازمہ موجود ہے جس کی جانب جناب محمد الیاس الاعظمی نے توجہ دلائی ہے۔ اُن کے بقول لسان الصدق کے تیرہ شمارے دستیاب ہیں۔ اور ''تقریباً ہر شمارہ میں علامہ شبلی کا ذکر براہ راست یا بالواسطہ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے'' (ص ۲۲۷)۔ علامہ شبلی اور مولانا آزاد کے مراسم کے حوالے سے جو متعدد تحریریں شائع ہوئی ہیں، جناب اعظمی کی تحریر بھی بہت مناسب ہے۔

''شبلی شناسی کے سو سال'' کی ورق گردانی کرتے ہوئے جہاں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ جناب محمد الیاس الاعظمی کی کتبِ شبلیات پر وسیع نظر ہے، وہیں توجہ اس جانب گئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ اُنھوں نے کارِ تحقیق نہایت عُجلت میں انجام دیا ہے۔

''ترتیب'' (فہرست مندرجات) میں ''خضر راہ'' (لکھنو) کے شبلی نمبر کا ماہ اور سال اشاعت مارچ ۱۹۳۰ء بتایا گیا ہے۔ یہی اطلاع شبلی نمبر کی ابتدائی دو سطروں میں دہرائی گئی ہے، مگر عنوان کی تیسری سطر میں ماہ و سال اشاعت ستمبر ۱۹۳۰ء درج کر دیا گیا ہے (ص ۵۸)۔ ''صبا'' (حیدرآباد۔ دکن) کا ترتیب، نیز تعارفی تحریر میں، بہ تکرار سالِ اشاعت ۱۹۵۷ء درج کیا گیا ہے (ص ۶۷)، لیکن ''صبا'' کے شبلی نمبر کے سرورق کا جو عکس شائع کیا گیا ہے (ص ۵۷)، اس میں سال اشاعت ۱۹۵۸ء مندرج ہے۔ ''ترتیب'' میں ''کریسنٹ'' کے شبلی نمبر کا سال اشاعت ۱۹۷۰ء لکھا گیا ہے، جب کہ درست سال اشاعت ۱۹۷۱ء ہے جیسا کہ سرورق کے عکس، نیز تعارفی تحریر میں درج کیا گیا ہے۔

''کریسنٹ'' کے مدیر خالد بزمی (م: ۱۹۹۹ء) کو جنوری ۱۹۷۱ء میں اسلامیہ کالج لاہور کا طالب علم بتایا گیا ہے (ص ۱۳۳)۔ جناب اعظمی کی توجہ اس جانب نہیں جا سکی کہ ۱۹۳۲ء میں پیدا ہونے والے خالد بزمی کم و بیش ۳۹ برس کی عمر میں کالج کے طالب علم نہیں ہو سکتے۔ یہی صورت حال ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (پیدائش ۱۹۲۴ء) کی

ہے، وہ ستمبر ۱۹۵۹ء میں اورینٹل کالج (پنجاب یونیورسٹی- لاہور) کے لیکچرار تعینات ہوگئے تھے۔ انہیں جنوری ۱۹۷۱ء میں اسلامیہ کالج کا طالب علم بتانا کس طرح درست نہیں ہوسکتا۔

جناب اعظمی کا ناشر ادارہ ''ادبی دائرہ- اعظم گڑھ'' کتابوں کی طباعت میں نفاست اور حسنِ ذوق کا اظہار کرتا ہے۔ کاغذ ہمیشہ سفید استعمال کیا جاتا ہے۔ کتابت صاف ستھری ہوتی ہے، جلد اور گرد پوش بھی جاذب نظر ہوتا ہے، اور ان سب پر مستزاد کتاب میں اشاریے شامل کیے جاتے ہیں۔ افسوس کہ زیرنظر کتاب اشاریوں کے بغیر شائع ہوئی ہے۔

جناب اعظمی نے ''شبلی نمبروں'' کے سرورق کے عکس شائع کیے ہیں، اس سے احساس ہوتا ہے کہ شبلی نمبر اُن کی نظر سے گزرے ہیں، مگر حیرت ہے کہ انہوں نے ''البصیر'' کے مدیر غلام دستگیر کی جگہ عبیداللہ خان کا نام درج کیا ہے۔ شبلی نمبر کی ادارتی ٹیم میں اُنہیں نگران قرار دیا گیا ہے، اور اگر انہوں نے کہیں اپنے آپ کو شبلی نمبر کا مدیر قرار دیا ہے تو یہ زیادہ درست دعویٰ نہیں۔ البصیر'' کے شبلی نمبر کی ورق گردانی سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے اصل محرک کالج کے پرنسپل شیخ عطاء اللہ تھے، اور ان ہی نے مختلف افراد سے مضامین کے لیے خط کتابت کی تھی۔ بہرحال کتابیاتی کوائف کی حد تک اُسی فرد کو ادارت کا کریڈٹ دیا جانا چاہیے جس کا نام بطور مدیر شامل ہوا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆